© rasailojaraid.com

نقد و استدراک

دو قرآنی الفاظ۔ ان کا صحیح مفہوم

مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

تحقیقات اسلامی کے شمارہ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا "بعض قرآنی الفاظ کے مواقع استعمال"

اس مضمون میں قرآن پاک کے دو الفاظ : (حجر، حجارۃ) اور (اُرسلنا علی) کے مواقع استعمال پر گفتگو کی گئی تھی۔

یہ گفتگو ہمارے نزدیک علمی حیثیت سے غلط اور غیر اطمینان بخش تھی۔ معاملہ چونکہ قرآنی الفاظ کا تھا۔ اس لیے ان کی وضاحت ضروری محسوس ہوئی۔ اسی احساس کے تحت یہ سطریں حوالۂ قرطاس کی جارہی ہیں۔

مذکورہ مضمون میں پہلے لفظ حجر اور حجارۃ کے مفہوم پر گفتگو کی گئی ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ لفظ حجر یا حجارہ کے لیے حجم کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کا اطلاق جہاں پہاڑوں، چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کے لیے ہوتا ہے، وہیں چھوٹے سے چھوٹے پتھروں، کنکریوں، حتی کے ریت کے ذرّوں پر بھی ہوسکتا ہے۔

مضمون نگار نے حجر یا حجارہ کا یہ مفہوم ثابت کرنے کے لیے آیات، احادیث، لغت اور کلام عرب کا سہارا لیا ہے، مگر ان کے استدلال میں بڑی کمزوریاں ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

قرآن سے استدلال

قرآن سے استدلال کے ضمن میں انھوں نے دو آیتیں پیش کی ہیں، پہلی آیت سورۂ اسراء کی ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قل کونوا حجارۃ او	تم کہدو، ہاں تم پتھر ہو جاؤ۔ لوہا ہو جاؤ
حدیدا او خلقا مما یکبر	یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت
فی صدورکم (آیت: ۵۰-۵۱)	ہی سخت ہو۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مضمون نگار فرماتے ہیں :

"اس آیت میں حجارہ اور حدید سے اشارہ سخت تر چیز کی طرف ہے نہ کہ کسی مخصوص حجم کی طرف"

اس استدلال کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ آسمان سات ہیں تو اس کی تردید کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

أفلم ینظروا إلی السماء	کیا انھوں نے دیکھا نہیں اپنے اوپر آسمان
فوقھم کیف بنیناھا وزیناھا	کی طرف، ہم نے کیسا اسے بنایا ہے،
ومالھا من فروج (سورہ ق: ۶)	سنوارا ہے اور اس میں کہیں بھی کوئی شگاف نہیں؟

اس آیت میں محض آسمان کی زینت واستحکام کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ کسی مخصوص عدد کی طرف۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آسمان ایک ہی ہے، سات نہیں ہیں۔

کہنے والے نے یہ بات کہی تھی کہ "لفظ حجر یا حجارہ کا استعمال ہمیشہ بڑے بڑے پتھروں کے لیے ہوتا ہے۔"

یہ بات بس اسی صورت میں غلط ہوتی، جب کوئی ایسی مثال پیش کی جاتی جس میں یہ لفظ ننھی منی کنکریوں کے لیے استعمال ہوا ہو۔

ظاہر ہے مذکورہ مثال میں بس اتنی ہی بات کہی جا سکتی ہے، جیسا کہ مضمون نگار نے کہی بھی ہے، کہ اس آیت میں کسی مخصوص حجم کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

لیکن اس سے یہ استدلال کرنا غلط ہوگا کہ چونکہ یہاں کسی مخصوص حجم کی طرف اشارہ نہیں ہے، لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ لفظ حجارہ ننھی منی کنکریوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

دوسری آیت جو اس ضمن میں پیش کی گئی ہے، یہ ہے :

ثم قست قلوبکم من بعد	پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس کے بعد
ذلک فھی کالحجارۃ او اشد	بھی، پس یہ ہو گئے پتھر کی طرح، بلکہ اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسوۃ (البقرہ: ۷۴) بھی زیادہ سخت

اس سے استدلال کرتے ہوئے مضمون نگار فرماتے ہیں:

"اس آیت میں بھی دل کی سختی کو پتھر کی سختی کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہاں حجارہ سے مراد کسی مخصوص حجم کا پتھر نہیں ہے۔"

یہ بھی بالکل اسی طرح کا استدلال ہے، جس طرح کا استدلال پہلی آیت سے کیا گیا ہے۔

پھر مضمون نگار کا یہ کہنا کہ یہاں حجارہ سے مراد کسی مخصوص حجم کا پتھر نہیں ہے، کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اگر مضمون نگار جلد بازی سے کام نہ لیتے، اور اسی آیت کا اگلا ٹکڑا بھی سامنے رکھتے تو شاید ایسی غلط بات نہ کہتے۔

اس آیت کا اگلا ٹکڑا یہ ہے:

وان من الحجارۃ لما	بلاشبہ کچھ پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں، جن سے
یتفجر منہ الأنہار وإن	نہریں پھوٹ پڑتی ہیں، کچھ ایسے بھی
منہا لما یشقق فیخرج منہ	ہوتے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں، اور
الماء وإن منہا لما یہبط من	ان سے پانی نکلنے لگتا ہے، اور انہی
خشیۃ اللہ وما اللہ بغافل	میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے
عما تعملون.	خوف سے نیچے آ رہتے ہیں اور اللہ
	غافل نہیں ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

کیا یہ آیت اس باب میں بالکل واضح نہیں ہے کہ یہاں حجارہ سے مراد چھوٹے چھوٹے پتھر یا ننھی منی کنکریاں نہیں ہیں؟

کیا چھوٹے چھوٹے پتھروں اور ننھی منی کنکریوں سے نہریں پھوٹتی ہیں؟

اور کیا وإن منہا لما یہبط من خشیۃ اللہ کا اشارہ کسی کنکری یا چھوٹے پتھر کی طرف ہے؟

سید قطب شہیدؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والحجارۃ التی یقیس	وہ پتھر جن سے وہ ان کے دلوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلوبهم إليها، فإذا قلوبهم	موازنہ کر رہا تھا، معلوم ہوا کہ ان کے دل
منها أجدب وأقسى هي	ان سے زیادہ خشک اور سخت ہیں۔ یہ
حجارة لهم بها سابق عهد	وہ پتھر ہیں جن کا انھیں پہلے سے تجربہ ہو چکا
فقد رأوا الحجر تنفجر	تھا، چنانچہ وہ چٹانوں کو دیکھ چکے تھے کہ
منه اثنتا عشرة عينا	ان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے اور
ورأوا الجبل يندك	انھوں نے پہاڑ کو دیکھا تھا کہ وہ ریزہ
حين تجلى عليه الله و	ریزہ ہو گیا تھا، جب اس پر اللہ تعالیٰ کی
خر موسى صعقا ولكن	تجلی ظاہر ہوئی اور موسیٰ بے ہوش ہو کر
قلوبهم لا تلين ولا تندى	گر پڑے۔ مگر ان کے دل ہیں کہ ذرا بھی
ولا تنبض بخشية ولا	نرم نہیں پڑتے۔ نہ ان کے اندر کوئی نمی
تقوى	آئی، اور نہ ان کے اندر کوئی خشیت اور
(فی ظلال القرآن: ۱/ ۱۰۳ طبع اول)	خدا ترسی راہ پاتی۔

عذاب قوم لوط کی آیات

مضمون نگار نے اسی ضمن میں عذاب قوم لوط کے سلسلے میں آئی ہوئی آیات سے بھی استدلال کیا ہے۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ اس قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی، جس کے لیے کہیں "حجارۃ من سجیل" کے الفاظ آئے ہیں اور کہیں "حجارۃ من طین" کے۔

اور سورۂ قمر میں ذکر ہے کہ ان پر "حاصب" بھیجی گئی تھی۔

مضمون نگار کا گمان ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تینوں الفاظ کا مدلول ایک ہی ہے۔ یعنی قوم لوط پر بڑے بڑے پتھروں کی نہیں، بلکہ ننھی ننھی کنکریوں کی بارش ہوئی تھی۔ اس لیے کہ حاصب سے مراد وہ تیز آندھی ہے جو اپنے ساتھ دھول اور کنکریاں اڑاتی ہوئی چلتی ہے۔

استدلال کا یہ انداز بتاتا ہے کہ شاید مضمون نگار حاصب کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصب کا مفہوم

حاصب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بس دھول اور کنکریاں اڑاتی ہے۔ دھول اور کنکریاں اڑانا تو بہت معمولی سی بات ہے۔ ہلکی سی آندھی بھی دھول اور کنکریاں اڑاتی ہے۔

حاصب وہ چیختی چلاتی بلکہ چنگھاڑتی اور شور مچاتی ہوئی زبردست طوفانی ہوا ہے جو صرف دھول اور کنکریاں ہی نہیں اڑاتی ہے بلکہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کو بھی اپنے ساتھ اڑائے پھرتی ہے۔ مکانات کی چھتوں، کھمبوں اور دیواروں کو اڑا لے جاتی ہے، ریل کی پٹریوں، گاڑی کے ڈبوں، ٹرکوں اور ٹرینوں کو میلوں کوسوں کے فاصلے پر لے جا کر پھینک آتی ہے۔

لہٰذا کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے، اگر قوم لوط پر حاصب بھیجی گئی اور اس نے ان پر بڑے بڑے پتھروں بلکہ پتھر کی سلوں کی بارش کی۔

امام ابن جوزی فرمان الٰہی (أو یرسل علیکم حاصبا) کی تفسیر کرتے ہوئے تین اقوال نقل کرتے ہیں، جن میں سے ایک قول یہ ہے:

آن الحاصب حجارۃ من السماء (زاد المسیر تفسیر سورۃ الاسراء)

حاصب سے مراد وہ پتھر ہیں جو آسمان سے برسائے جاتے ہیں۔

اور خود لفظ حصب کے معنی بھی حجارۃ یعنی بڑے پتھر کے آتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشہور عربی لغت: اقرب الموارد)

یہ تو وہ قرآنی دلائل ہیں جو مضمون نگار کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں اس بات کے ثبوت میں کہ حجر اور حجارہ کا لفظ ننھی منی کنکریوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس کے بعد مضمون نگار نے روایات کی مدد سے اپنی بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں بھی انھوں نے علم واستدلال کے تقاضوں کو اور بحث وتحقیق کے بنیادی اصولوں کو یکسر نظر انداز کیا ہے۔

پہلی روایت جس سے انھوں نے اپنی بات ثابت کرنی چاہی ہے، صحیح بخاری کی یہ روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگوں کو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور علاج انھیں صدقہ کے اونٹوں کا دودھ پینے کی ہدایت فرمائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے وہاں جاکر چرواہے کو قتل کیا، اور اونٹوں کو اپنے ساتھ ہنکا لے گئے۔
آپؐ نے اپنے آدمیوں کو دوڑا کر ان سبھوں کو پکڑوایا اور انھیں عبرت ناک سزا دی۔
جس کی تفصیل حدیث کے راوی حضرت انس کے الفاظ میں یوں ہے :

فقطع ایدیھم وارجلھم	آپ نے ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے آنکھوں
وسمّر أعينهم و تركهم	میں سلائیاں پھروا دیں اور چھوڑ دیا انھیں
بالحرّة يعضون الحجارة	حرّہ یعنی مدینہ کی کالی سنگلاخ زمین میں،
	وہ پتھر چوس رہے تھے۔

اس روایت میں (یعضّون الحجارۃ) کے الفاظ آئے ہیں، جس کا ترجمہ مضمون نگار نے کیا ہے :

(جہاں وہ پتھر چباتے تھے)

پھر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہاں حجارہ سے مراد کنکریاں اور پتھر کی بجریاں ہیں جو منہ میں آسکیں۔

فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ پتھر کیوں چباتے تھے؟ وہ بھی حرّۂ مدینہ کے کالے کالے کھردرے اور نکیلے پتھر!!

کیا کسی تشنہ لب یا کسی جاں بلب کو اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی پتھر چباتے دیکھا یا سنا گیا ہے؟

ہمارا خیال ہے مضمون نگار کا ذہن اس طرف نہیں گیا ورنہ شاید وہ ایسا بے معنی ترجمہ نہ کرتے۔

پھر ایک نہایت اہم بات جو یہاں قابل لحاظ ہے، وہ یہ کہ کیا اس روایت کے اور بھی سلسلے ہیں، یا بس اسی ایک سلسلے سے یہ روایت آتی ہے؟
اور اگر اس کے اور بھی سلسلے ہیں تو کیا ان تمام سلسلوں میں یہی عبارت آئی ہے؟
ذیل میں ہم اسی کی تفصیل پیش کرنی چاہتے ہیں :
یہ عبارت جو اس وقت زیر بحث ہے یعنی :

وترکھم بالحرّۃ یعضون الحجارۃ

یہ سعید کے طریق سے آئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو رجاء کے واسطے سے جو روایت آتی ہے، اس میں یہ الفاظ سرے سے ہیں ہی نہیں۔ بلکہ ان الفاظ کے بجائے یہ عبارت ہے:

ثم نبذھم فی الشمس حتی ماتوا۔

یعنی ہاتھ پیر کٹوا کے انھیں دھوپ میں ڈال دیا، وہ اسی طرح پڑے رہے یہاں تک کہ مر گئے۔

حضرت انسؓ ہی سے ثابت نامی ایک بزرگ کے واسطے سے جو روایت آئی ہے، اس کی عبارت یوں ہے:

فرأیت رجلا منھم یکدم الارض بلسانہ حتی یموت

یعنی میں ان میں سے ایک شخص کو دیکھتا، وہ اپنی زبان سے بے تحاشہ زمین چاٹتا رہتا یہاں تک کہ دم توڑ دیتا۔

ابو عوانہ کے واسطے سے جو روایت آئی ہے، اس کی عبارت یوں ہے:

یعضّ الارض لیجد بردھا مما یجد من الحرّ والشدّۃ (ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری ۱۵۴/۳ وفتح الباری ۲۹۳/۱، باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضھا۔)

یعنی وہ بے طرح (خود اپنے پسینے اور خون سے بھیگی ہوئی) زمین کو چاٹتا تھا تاکہ اس سے ٹھنڈک حاصل کرسکے اور جس شدت اور حرارت میں وہ مبتلا تھا اس سے کچھ راحت پاسکے۔

امام قسطلانی نے ابو عوانہ کے واسطے سے جو روایت نقل کی ہے، اس کی عبارت یوں ہے:

یکدم الارض لیجد بردھا مما یجد من الحرّ والشدّۃ (ارشاد الساری ۳۰/۱)

یعنی امام قسطلانی نے یعضّ کے بجائے یکدم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ کسی روایت میں "یعضّون الحجارۃ" کے الفاظ ہیں کسی میں "یکدم الارض بلسانہ" کے الفاظ ہیں اور کسی میں "یعضّ الارض" کے الفاظ ہیں۔

ان تمام طرق کو جب سامنے رکھا جائے گا، اور ان کے درمیان تطبیق کی راہ نکالی جائے گی تو اس صورت میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ جس روایت میں "یعضّون الحجارۃ" کے الفاظ ہیں وہاں حجارہ سے مراد کنکریاں اور پتھر کی بجریاں نہیں، بلکہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مراد پتھریلی زمین ہے۔

اور یہ واقعہ پیش بھی آیا تھا حرّۃ مدینہ میں، جس کے معنی ہی ہوتے ہیں، نہایت کالی پتھریلی زمین (ارض ذات حجارۃ سود)

ایک دوسری روایت جس سے مضمون نگار نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حجارہ کا لفظ چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، وہ مسند احمد کی ایک روایت ہے، جس کی تفصیل اس طرح ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے ایک سفر حج کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کنت مع عبد اللہ حتی انتھی	میں حضرت عبداللہ کے ساتھ تھا۔ وہ جمرۂ
إلی جمرۃ العقبۃ فقال ناولنی	عقبہ کے پاس آئے۔ فرمایا، مجھے کچھ پتھر دو۔
احجارا قال فناولتہ سبعۃ أحجار	میں نے سات پتھر پیش کر دیئے، انھوں نے
فقال لی خذ بزمام الناقۃ قال	مجھ سے فرمایا، اونٹنی کی نکیل پکڑو، پھر وہ
ثم عاد إلیھا فرمی بھا من	پلٹ کر آئے اور بطن الوادی سے سات
بطن الوادی لسبع حصیات	کنکریاں ماریں۔

مضمون نگار فرماتے ہیں:

اس روایت میں سبعۃ احجار ہی کے لیے بعد میں سبع حصیات کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ گویا راوی کی نظر میں احجار اور حصیات (کنکریوں) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کنکریوں ہی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی احجار کا لفظ استعمال کیا، اور ان کے رفیق سفر نے بھی۔

مضمون نگار کا یہ استدلال معقول تھا، اور اسے قبول کر لینے میں ہمیں کچھ بھی تامل نہ ہوتا بشرطیکہ جن راویوں کے ذریعہ سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے وہ تمام راوی بھی مستند ہوتے۔

اس روایت کے راویوں میں ایک صاحب ہیں لیث بن ابی سلیم، ان کے بارے میں ائمۂ حدیث کی ایک بڑی جماعت ہے جس نے کلام کیا ہے اور انھیں ضعیف اور مضطرب الحدیث قرار دیا ہے۔ بطور مثال چند اقوال ملاحظہ ہوں:

یحییٰ بن معین کہتے ہیں: لیس حدیثہ بذاک۔ ضعیف ان کی حدیث کا وہ مقام نہیں وہ کمزور ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاتم اور ابوزرعہ فرماتے ہیں: لا یشتغل بہ ۔ ھو مضطرب الحدیث ان کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ ان کی حدیث میں اضطراب ہوتا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں: مضطرب الحدیث ولکن حدث الناس عنہ (الکواکب النیرات۔ ابن الکیال ص۴۹۳) ان کی حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود لوگوں نے ان کی روایت قبول بھی کی ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

امام ابن عینیہ لیث بن سلیم کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ ابوزرعہ اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث کہتے ہیں: لیث سے حدیث نہیں لی جائے گی۔ ان کی حدیثوں میں اضطراب ہوتا ہے وہ حدیث کے معاملے میں حجۃ نہیں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء۔ امام ذہبیؒ ۶/۱۸۰-۱۸۱)

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں:

لیث عبادت گزار لوگوں میں سے تھے۔ لیکن آخر عمر میں ان کے دماغ میں خلل آگیا تھا۔ انھیں احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ اسانید کو الٹ دیتے تھے، مرسل روایات کو مرفوع بنا دیتے تھے اور ثقات کے نام سے وہ باتیں بیان کیا کرتے تھے جو ان کی حدیثوں میں نہیں ہوتی تھیں۔

یحییٰ ابن قطان، ابن مہدی، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے انھیں متروک قرار دیا ہے (کتاب المجروحین۔ محمد بن حبانؒ ۲/۲۳۱)

ابن سعد کہتے ہیں:

لیث نیک اور عبادت گزار انسان تھے۔ لیکن حدیث کے معاملے میں ضعیف تھے۔ (الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد ۶/۳۴۹)

مختصر یہ کہ یہ روایت جس کا مضمون نگار نے سہارا لیا ہے، سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اتنے اہم معاملے میں اس سے استدلال کیا جائے۔

حدیث ماعز

جناب مضمون نگار نے حدیث ماعز کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ماعز اسلمی کو جب پتھر لگنے لگے تو وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ لیکن لوگوں نے انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوڑالیا۔ بھاگنے نہ دیا اور پھر پتھروں سے مار مار کر انھیں ہلاک کر دیا۔

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ اگر یہ پتھر بڑے بڑے ہی تھے تب تو ان کا دو تین پتھروں ہی میں دم نکل جاتا۔

قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس استدلال میں کتنی جان ہے۔ کسی پر جب پتھراؤ کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، تو اس کے لیے سنگ ریزے اور ننھی منی کنکریاں استعمال کی جاتی ہیں یا بڑے بڑے پتھر؟

پھر بڑے بڑے پتھروں سے مارنے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ ان کے سر پر پہاڑ کی دو چٹانیں گرا دی گئیں اور وہ وہیں پس کر رہ گئے۔

جناب مضمون نگار نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حجارہ کا لفظ پتھر کی بجریوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے استنجاء بالاحجار والی روایات کا بھی سہارا لیا ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ (فلیذهب معه ثلاثة احجار)

مضمون نگار فرماتے ہیں:

اگر احجار اور حجارہ کا اطلاق صرف بڑے پتھروں پر ہوتا ہے تو کیا چھوٹے پتھروں کے استعمال سے طہارت نہیں حاصل ہوگی؟

گویا اب حجارہ یا حجر کا حجم متعین کرنے کا پیمانہ یہ قرار پائے گا کہ کتنے سے طہارت حاصل ہو سکتی ہے؟

اور اگر یہ طے ہو جائے کہ پتھر کی بجریاں اور ننھی منی کنکریاں ہی نہیں، ریت سے بھی تو طہارت حاصل ہو سکتی ہے تو کہا جائے گا کہ حجر یا حجارہ کے مفہوم میں ریت کے ذرّے بھی داخل ہیں!

حجر اور حجارہ۔ لغت اور کلام عرب کی روشنی میں

مضمون نگار نے لغت اور کلام عرب میں بھی حجارہ کا حجم تلاش کرنے کی کوشش کی، مگر یہ کوشش بالکل ہی سرسری تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے مفردات امام راغب کھولی، اور اس میں حجر یا حجارہ کی قدو قامت نہ مل سکی بس اتنا ملا کہ: الحجر: الجوھر الصلب المعروف

بس اتنی بات ان کے لیے کافی ہوگئی کہ چونکہ امام راغب نے حجر کا کوئی حجم متعین نہیں کیا ہے اس لیے چھوٹی سی چھوٹی کنکری کو بھی حجر کہا جائے گا۔

پھر انھیں کلام عرب میں اس کی تلاش ہوئی، تو لسان العرب میں کسی نامعلوم شاعر کا یہ مصرع نظر آگیا ؎ عشیّۃ احجار الکناس رمیم

اور پھر خوش قسمتی سے وہیں ابن الاعرابی کا یہ جملہ بھی مل گیا:

وربما کنی بالحجر عن الرمل وبذلک فسر قولہ: «عشیۃ احجار الکناس رمیم» قال اراد عشیۃ رمل الکناس۔	کبھی لفظ حجر سے ریت کا بھی کنایہ کیا جاتا ہے اور یہی تاویل کی گئی ہے اس مصرع کی: "عشیۃ اُحجار الکناس رمیم" اس نے "احجار الکناس" کہہ کر "رمل الکناس" مراد لیا ہے۔

اس کے بعد وہیں پر مزید یہ عبارت ہے، جو اسی سے متعلق ہے مگر مضمون نگار نے اسے نظرانداز کر دینے میں ہی عافیت سمجھی:

ورمل الکناس من بلاد عبد اللہ بن کلاب	"رمل الکناس" عبد اللہ بن کلاب کے علاقوں میں سے کوئی علاقہ ہے۔

گویا پوری بات یوں ہوئی کہ شاعر نے "احجار الکناس" کا لفظ کسی مقام کے نام کے طور پر استعمال کیا ہے، مگر اس نام کا کوئی مقام پایا نہیں جاتا۔ اس پر کسی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ غالباً شاعر نے "احجار الکناس" سے "رمل الکناس" کا کنایہ کیا ہے۔

بس اسی بنیاد پر مضمون نگار نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ حجر رمل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

انھیں یہ نہیں معلوم کہ کسی لفظ کا کسی معنی میں آنا اور بات ہے، کسی لفظ سے کسی مفہوم کا کنایہ اور بات ہے۔

یہ چند سطریں تو جناب مضمون نگار کی تحقیق سے متعلق تھیں۔ اب ہم براہِ راست لغت اور کلام عرب کی روشنی میں یہ دکھائیں گے کہ حجر یا حجارہ کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسان العرب عربی زبان کی سب سے جامع اور مفصل لغت ہے، اس میں یہ تشریح ملتی ہے۔

الحجر: الصخرۃ (حجر کے معنی ہیں چٹان)

صاحب "لسان" نے حجر کے بس یہی ایک معنی لکھے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے اس لفظ کے دوسرے مشتقات اور استعمالات لکھے ہیں، جو سب اسی مفہوم کے گرد گردش کرتے ہیں۔

جس طرح چٹان کے اندر شدت، صلابت، استحکام اور مضبوطی کا مفہوم پایا جاتا ہے اسی طرح اس کے تمام مشتقات میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر "حجر الارض" کہتے ہیں اس مرد آہن کو جو چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جما ہوا ہو اور جسے اپنی جگہ سے ہلانا آسان نہ ہو۔

اسی سے ایک لفظ بنا ہے حجرہ۔ حجرہ اس کمرے کو کہتے ہیں جو گھر کے اندر سب سے زیادہ محفوظ اور ہر چہار جانب سے بند ہو۔ جہاں گھر کے قیمتی سامان محفوظ کیے جائیں، الحجرۃ من البیت معروفۃ لمنعھا المال۔

اسی طرح حجار گھر کی چہار دیواری کو کہتے ہیں، کیونکہ اس سے گھر کی حفاظت ہوتی ہے۔

اسی طرح حجرہ اونٹوں کی باڑھ کو بھی کہتے ہیں۔ جہاں وہ ہر طرف سے محفوظ ہوں اور کوئی دوسرا انھیں ہنکا کر نہ لے جاسکے۔

اسی طرح کسی لشکر کا جو میمنہ اور میسرہ ہوتا ہے، جو اصل لشکر کی حفاظت کرتا ہے۔ جو یمین و یسار سے لشکر کو قوت پہنچاتا اور کسی دشمن کو اس کے قریب آنے سے روکتا ہے، اس کو (حجرتا العسکر) کہتے ہیں۔

اسی طرح آنکھوں کا وہ مضبوط خول جو آنکھوں کی حفاظت کرتا ہے اس کو "مَحجِر العین" کہتے ہیں۔

محجر اس فصیل کو بھی کہتے ہیں جو کسی شہر یا کسی ریاست کی حفاظت کے لیے بنائی جائے۔ یہیں سے محاجر اقیال الیمن کہتے ہیں ان علاقوں کو جو دور جاہلیت میں یمن کے امرا یا نوابوں نے اپنے لیے محجوز و محفوظ کر لیے تھے۔ جہاں کسی دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے پر مارنے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔

اسی مناسبت سے قوم ثمود کے علاقہ کو حجر کہا گیا، کیونکہ اس قوم کی شان و شوکت اور عظمت وسطوت کا یہ عالم تھا کہ کوئی دوسری قوم ان کی طرف آنکھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ نہ ان کے علاقے میں قدم رکھ سکتی تھی۔

اسی طرح سونے اور چاندی کو عربی میں الحجران کہا جاتا ہے۔ اس میں یہی پہلو ملحوظ ہوتا ہے کہ زمانے کا جو بھی اتار چڑھاؤ ہو، ان دونوں دھاتوں کی قیمت اور مالیت ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔ ان کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

یہ چند استعمالات ہیں جو توضیح مطلب کے لیے کافی ہیں۔

چنانچہ مشہور امام لغت ابوالحسن احمد بن فارس بن زکریا لکھتے ہیں:

الحجر معروف واحسب	حجر کے معنی معروف کے ہیں اور میرا خیال
ان الباب كله محمول	ہے کہ اس مادے کے جتنے بھی مشتقات
عليه و ماخوذ منه لشدته	ہیں، وہ سب اسی لفظ سے نکلے ہیں،
وصلابته	اور ان سب میں شدت وصلابت کا
(معجم مقاييس اللغة)	مفہوم پایا جاتا ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں عربی کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی بآسانی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ حجر یا حجارہ کے معنی پہاڑ اور چٹان کے ہوں گے یا ننھی منی کنکریوں اور پتھر کی بجریوں کو حجارہ کہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کے تمام ہی استعمالات خواہ وہ قرآن پاک سے تعلق رکھتے ہوں یا حدیث رسول سے، یا کلام عرب سے، وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ حجر اور حجارہ کے الفاظ پہاڑوں، چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کے لیے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ ان الفاظ سے کنکری اور ریت کا مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ یہ دونوں الفاظ کبھی کسی بڑے پتھر کے ٹکڑوں یا حصوں کے لیے بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اصلاً یہ الفاظ چھوٹے پتھر کا مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی کسی چیز کے جزء کے لیے بھی وہی لفظ استعمال کر دیا جاتا ہے جو اصلاً اس کے کل کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے اموی دور کے مشہور شاعر فرزدق کا ایک شعر ہے ؎

وإذا ذكرت اباك او ايامه

اخزاك حيث تقبّل الاحجار

صاحب لسان العرب اس شعر کے بارے میں لکھتے ہیں :

فانه جعل كل ناحية منه	فرزدق نے اس شعر میں اجار سے
حجرا، الاترى انك	حجر اسود کو مراد لیا ہے۔ اس نے حجر اسود کے
لومسست كل ناحية منه	ہر گوشے کو حجر قرار دیا ہے۔ تم خود سوچو، اگر
لجاز ان تقول مسست	تم حجر اسود کے کسی حصے کو بھی چھو لو تو کیا تم
الحجر؟	یہ نہیں کہو گے کہ میں نے حجر اسود کو چھو لیا؟

مختصر یہ کہ کبھی کسی چیز کے جزء کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال ہو جاتا ہے جو اصلاً اس کے کُل کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن وہ جزء بھی ایسا ہونا چاہیئے جو قابل لحاظ ہو۔

زید کا چہرہ یا اس کا سر یا اس کی پشت دیکھ کر تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں نے زید کو دیکھا ہے۔ لیکن زید کا ناخن دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے زید کو دیکھا ہے۔

اسی طرح حجر اور حجارہ کے الفاظ اصلاً پہاڑ اور چٹان کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن مجازاً چٹان یا پہاڑ کے ٹکڑوں یا بڑے بڑے پتھروں کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ کنکریوں اور پتھر کی چھڑیوں اور بجریوں کے لیے بھی یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

ایک اور افسوسناک غلطی

مضمون نگار نے اپنے مضمون میں علامہ فراہی کی ایک عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ فراہی بھی حجر اور حجارہ کے مفہوم میں چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو داخل مانتے تھے۔ وہ عبارت اس طرح ہے :

وان في ذلك لآية ظاهرة فانه	بلا شبہ اس میں زبردست نشانی ہے
تعالىٰ منع بلده المحرم واهل	اللہ تعالیٰ کی۔ کہ اس نے اپنے محترم شہر اور
البلد بما صب على اعدائه	اس شہر کے لوگوں کی حفاظت فرمائی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من الحصباء والتراب وطهر	طور سے کہ اس نے اپنے دشمنوں پر دھول
جوار مكة من جيف الصرعى	اور کنکریوں کی بارش کی اور جھنڈ در جھنڈ
بما ارسل عليهم من طير	گوشت خور چڑیاں بھیج کر جوار مکہ کو کشتوں
ابابیل تاکلهم (تفسیر سورۃ الفیل: ۲۸)	کی لاش سے پاک کر دیا۔

اس پر مضمون نگار نے یہ حاشیہ لگایا ہے:

"اس اقتباس میں مولانا فراہی نے حجارہ کی تشریح الحصباء والتراب سے کی ہے۔ حصباء چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بھی حجارہ کو بڑے پتھروں کے لیے خاص نہیں مانتے۔"

یہاں ہم مضمون نگار سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کس حجارہ کی تشریح علامہ فراہی نے الحصباء والتراب سے کی ہے؟

اس سورہ میں ایک ہی جگہ تو حجارہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

"ترميهم بحجارة من سجيل"

اور اس کا ترجمہ علامہ اس طرح فرماتے ہیں:

(تو پھینکتا تھا ان پر پتھر)

اور پھر اپنی تفسیر میں اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

"كانت قريش ترميهم بحجارة	(یعنی قریش ان پر پتھراؤ کر کے انھیں
ينفحونهم بها عن الكعبة	خانہ کعبہ سے دور بھگا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ
فجعلها الله حجابا لما ارسل	نے اسی پردے میں ان پر آسمان سے
على اصحاب الفيل من الحجارة من السماء"	پتھراؤ کر دیا۔

تو کیا علامہ فراہی کی اس عبارت کا مطلب یہی ہے کہ قریش ابرہہ اور اس کے لشکر پر دھول اور کنکریاں اڑا رہے تھے؟

علامہ فراہی نے جہاں حصباء اور تراب کا ذکر کیا ہے، وہ لفظ حجارہ کی شرح نہیں بلکہ حاصب کی تفسیر ہے۔

اصحاب الفیل پر، جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں، تیز و تند طوفانی ہوائیں بھی چلی ہیں، اور بڑے بڑے پتھروں کی بارش بھی ہوئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَرسَلَ علی کا مفہوم

ارسل علی کے سلسلے میں مضمون نگار رقم طراز ہیں :

" قرآن میں ارسل علی کے بیشتر مواقع استعمال میں عذاب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا استعمال بعض دیگر معانی کے لیے بھی ہوا ہے ۔ چنانچہ بعض مواقع پر وہ انعام کے معنی میں ہے ۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو توبہ و استغفار کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسانات یوں یاد دلائے :

" یرسل السماء علیکم مدراراً "

اسی طرح کی دو اور آیات : (ہود : ۵۲ ، اور انعام : ٦) کا حوالہ دینے کے بعد مزید فرماتے ہیں :

ان تینوں آیات میں اَرسَلَ علی کا استعمال انعام کے معنی میں ہوا ہے ۔ اسی طرح بعض دیگر آیات میں وہ غلبہ کے معنی میں آیا ہے :

فما ارسلناک علیہم حفیظاً (النساء : ۸۰)

وما ارسلناک علیہم وکیلا (الاسراء : ۵۴)

وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ (انعام : ٦١)

الم تر انا ارسلنا الشیطین علی الکافرین تؤزھم ازا (مریم : ۸۳)

مضمون نگار نے یہاں (ارسل علی) کے تین معنی بتائے ہیں ۔

پہلا معنی :

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ قرآن پاک میں اَرسَلَ بصلہ علی انعام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے لیے انھوں نے تین مثالیں دی ہیں جو بالکل ایک ہی طرح کی ہیں :

یرسل السماء علیکم مدراراً (سورۂ نوح : ۱۱)

یرسل السماء علیکم مدراراً (سورۂ ہود : ۵۲)

ارسلنا السماء علیہم مدراراً (انعام : ٦)

یہاں مضمون نگار کو غلط فہمی یہ ہوگئی ہے کہ (علیکم) یا (علیہم) میں جو علی ہے وہ یرسل یا ارسلنا کا صلہ ہے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ ان تینوں آیتوں میں حرف (علی ، مدراراً) کا صلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے نہ کہ یرسل یا اُرسلنا کا۔

درّ یا أدرّ کا صلہ علی معروف ہے

کہاجاتا ہے: ادردتُ علیہ الضرب یعنی میں نے مسلسل یا لگاتار اسے مارا۔ اسی طرح

عربی ادب کا محاورہ ہے:

درّت الدنیا علی أھلھا یعنی دنیا نے اہلِ دنیا کو خوب سیراب کر دیا۔ (ملاحظہ ہو: اساس البلاغہ، امام زمخشری، نیز المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ۔ مادہ: درر)

یہی وجہ ہے کہ امام ابن جریرؒ (ارسلنا السماء علیھم مدرارًا) کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

درّت السماء علیھم بأمطارھا آسمان نے ان پر خوب خوب مینہ برسایا (تفسیر طبری سورۂ انعام)

دوسرا معنی:

مضمون نگار فرماتے ہیں:

اسی طرح بعض دیگر آیات میں وہ (یعنی أرسَلَ علی) غلبہ کے معنی میں آیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے چار مثالیں پیش کی ہیں۔

پہلی مثال ہے:

فما ارسلناک علیھم حفیظًا (النساء: ۸۰)

یہاں بھی مضمون نگار کو وہی دھوکا ہوا ہے، جو پچھلی مثالوں میں ہوا ہے۔ یعنی انھوں نے علیھم میں علی کو ارسلنا کا صلہ سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ وہ حفیظًا کا صلہ ہے۔

امام زمخشریؒ اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

فما ارسلناک إلا نذیرًا لاحفیظًا	ہم نے تمھیں نہیں بھیجا ہے مگر نذیر بناکر،
ومھیمنًا علیھم تحفظ علیھم اعمالھم	نہ کہ ان پر نگراں اور داروغہ بناکر کہ تم ان کے
وتحاسبھم علیھا وتعاقبھم، لقولہ	اعمال کا ریکارڈ رکھو پھر ان سے بازپرس
(وما أنت علیھم بوکیل)	کرو اور سزا دو۔

یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جس طرح کی بات دوسری جگہ یوں فرمائی گئی ہے۔

وما انت علیھم بوکیل تم ان کے نگراں اور ذمہ دار نہیں بنائے گئے ہو۔

آیت کی یہی تاویل صحیح اور دوسرے قرآنی استعمالات کے مطابق ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ وما جعلناك عليهم حفيظًا (الانعام : ۱۰۷)

۲۔ وما انا عليكم بحفيظ (الانعام : ۱۰۴)

۳۔ والّذين اتّخذوا من دون الله اولياء الله حفيظ عليهم (شوریٰ : ۶)

۴۔ ان ربي على كل شئ حفيظ (ہود : ۵۷)

اس دوسرے معنی کی تائید میں انھوں نے ایک اور مثال پیش کی ہے :

وما ارسلناك عليهم وكيلا (الاسراء : ۵۴)

یہاں بھی مضمون نگار کو وہی دھوکا ہوا ہے جو پچھلی مثالوں میں ہوا ہے ۔ یعنی علیھم جو وکیلا کا متعلق ہے، اسے انھوں نے (ارسلنا) کا متعلق سمجھ لیا ۔

حالانکہ جن آیات میں ارسلنا یا اس کا کوئی بھی مشتق نہیں استعمال ہوا ہے، وہاں بھی علیٰ وکیل کے صلہ کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔ چند مثالیں اس کی بھی ملاحظہ ہوں ۔

۱۔ وكذب به قومك وهو الحق، قل لست عليكم بوكيل (الانعام : ۶۶)

۲۔ خالق كل شيء فاعبدوه وهو على كل شئ وكيل (الانعام : ۱۰۲)

۳۔ ومن ضلّ فانما يضلّ عليها وما انا عليكم بوكيل (یونس : ۱۰۸)

۴۔ انما انت نذير والله على كل شئ وكيل (ہود : ۱۲)

تیسری مثال :

اسی دوسرے معنی کی تائید میں انھوں نے ایک تیسری مثال پیش کی ہے :

وهو القاهر فوق عباده ويرسل عليكم حفظة (الانعام : ۶۱)

یہ تیسری مثال بھی پچھلی مثالوں کے ہی مانند بالکل بے محل ہے ۔

یہاں بھی علیکم یرسل کا متعلق نہیں، بلکہ (حفظۃ) کا متعلق ہے ۔

چنانچہ امام ابن جریرؒ اس کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں :

حفظة يا ابن آدم، يحفظون	نگہبان اے ابن آدم! جو نگاہ رکھتے ہیں
عليك عملك ورزقك واجلك	تیرے عمل پر، تیرے رزق پر، اور تیری مدت
إذا توفيت ذلك قبضت إلى	عمر پر۔ جب تو یہ چیزیں پوری کرے گا تو پکڑ
ربك (تفسیر طبری ۔ سورہ انعام)	کے اپنے رب کے ہاں پہنچا دیا جائے گا)

اسی طرح شیخ ابوحیان اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ای ویرسل حفظۃ علیکم ای اعمالکم کما قال وان علیکم لحافظین	وہ بھیجتا ہے تم پر نگہبان یعنی وہ ریکارڈر کھتے ہیں تمہارے اعمال کا، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: "وان علیکم لحافظین"، یعنی مقرر ہیں تم پر نگہبان۔
(تفسیر البحر المحیط۔ سورۂ انعام)	

دوسرے تمام قرآنی اور غیر قرآنی نظائر سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، جس کی تفصیل پہلی مثال کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

اسی دوسرے معنی کی تائید میں مضمون نگار نے ایک چوتھی مثال بھی پیش کی ہے۔

"الم تر انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازّا"

اس مثال سے بھی مضمون نگار نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ (اَرْسَلَ عَلٰی) قرآن پاک میں غلبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ (علی الکافرین) میں جو (علی) ہے، وہ (ارسلنا) کا صلہ نہیں، بلکہ فعل محذوف کا صلہ ہے۔ اور یہ عربی زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ فعل حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کا صلہ ذکر کر دیا جاتا ہے جو اس فعل محذوف کی نشاندہی کرتا اور اس کے معنی و مفہوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

چنانچہ علامہ مہائمی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

(الم تر انّا ارسلنا الشیاطین) مسلّطین (علی الکافرین) (تبصیر الرحمان۔ سورہ مریم)

اس طرح آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہم نے شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے، اس حال میں کہ وہ مسلط ہیں کافروں پر۔

گویا (علی الکافرین) میں جو (علی) ہے وہ (ارسلنا) کا نہیں بلکہ (مسلّطین) کا صلہ ہے۔

ارسل علی عذاب کے مفہوم میں؟

اور بالکل یہی تاویل ہوگی ان تمام مواقع پر جہاں کچھ لوگوں کو غلطی سے یہ گمان ہوگیا کہ یہاں (ارسل علی) عذاب کے مفہوم میں ہے۔

اس لیے کہ خود لفظ اَرسَلَ کے اندر عذاب کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ جن مواقع پر بھی عذاب کا مفہوم پایا جاتا ہے، وہاں دراصل لفظ (تسلیط) مقدر ہوتا ہے اور (ارسل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ جو علی ہوتا ہے، وہ (ارسل) کا نہیں، بلکہ اسی فعل محذوف کا صلہ ہوتا ہے۔
مثال کے طور پر سورۂ فیل کی آیت ارسل علیہم طیرا ابابیل کی تاویل ہوگی:
ارسل الیہم طیرا ابابیل — اس نے ان کی طرف جھنڈ در جھنڈ
و سلّطہا علیہم — چڑیاں بھیجیں اور وہ چڑیاں ان پر مسلط کر دیں۔
اسی طرح ایک دوسری آیت ہے:
انا ارسلنا علیہم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمرّ (سورۃ القمر: ۱۹)
اس آیت کی تاویل ہوگی:
انا ارسلنا الیہم ریحا صرصرا و سلّطناہا علیہم فی یوم نحس مستمرّ
اور آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا:
ہم نے بھیجی ان کی طرف تیز و تند ہوا اور وہ ہوا مسلط کر دی ان کے اوپر ایک ایسے منحوس دن میں جس کی نحوست کبھی ختم ہونے والی نہ تھی۔
یہ دو مثالیں ہیں۔ انہی دونوں مثالوں پر بقیہ تمام جگہوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔
یہ قرآن پاک کا بہت ہی معروف اسلوب ہے۔ اس اسلوب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بظاہر دیکھنے میں تو ایک جملہ نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ دو جملہ ہوتا ہے اور معنی کے لحاظ سے اس میں دو جملوں کا زور پایا جاتا ہے۔
اس طرح کلام میں ایجاز و اختصار کی بھی شان نمایاں ہوتی ہے اور اس کی بلاغت بھی دو آتشہ ہو جاتی ہے۔

ایک وضاحت

یہاں اس بات کی بھی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جناب سلطان احمد اصلاحی نے اپنے پچھلے مضمون میں جو یہ بات لکھی تھی کہ:
ارسلنا علی کا استعمال بلا استثناء کتاب اللہ میں مختلف چیزوں کو سرکش اقوام و جماعات پر عذاب الٰہی کے طور پر بھیجنے کے لیے ہے۔"
تو اس بات سے ہمیں اتفاق نہ تھا۔ لیکن اس وقت یہ طویل بحث چھیڑنے کا موقع نہ تھا۔
اسی سے جناب مضمون نگار کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ہم نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

© rasailojaraid.com